

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم

محاشنوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے

نعیم صدیقی

(گزشتہ سے پیوستہ)

اللہ تعالیٰ نے اسی واقعے کے ذریعے متبنی کے بارے میں غلط تصور رائج کو بھی توڑنے کا ارادہ فرمایا۔ بعد میں ہوا یہ کہ زوجین میں ساکھاری نہ ہو سکی اور اس میں وہ ذہنی تفاوت موثر ہوا جو بطور عام زوجہ کے فریقین میں موجود تھا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایات آنے لگیں لیکن معاشا کھنے کے بجائے بگڑتے چلے گئے یہاں تک کہ بالآخر زید طلاق دینے کا ارادہ آپ کے سامنے ظاہر کرنے لگے۔ اس پر آپ کو بڑی تشویش ہوئی کہ ایک ایسا نکاح ٹوٹ رہا ہے جو معاشرے میں ایک نئی انقلابی مثال قائم کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ نیز اس میں خود رسول اللہ کی تحریک اور مشورے کو بڑا دخل تھا اور آپ ہی چونکہ زید کی طرف سے ولی تھے اس لیے آپ کی بڑی ذمہ داری تھی۔ آپ نے بار بار اس رابطے کو بچانے اور حضرت زید کو طلاق سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن آخر کار یہ ساری کوشش ناکامی کی سرحد کو پہنچی ہوگی اور جس طرح کی شکایات پیدا ہوں گی ان کے ازالے کی ایک ہی صورت ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ خود زینب کو اپنے نکاح میں لے لیں۔ مشروعیت میں پوشش یا بالکل صاف تھی اور اس معاملے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی لیکن سابق جاہلی اثرات کے تحت اندیشہ تھا کہ لوگوں کو اچنبھا ہوگا اور ساتھ ہی مخالفین پروپیگنڈے کا ایک موضوع پالیں گے لیکن مرضی الہی یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت سے متعلق نئی برعلا پوزیشن چلی آرہی تھی اس کی نفی خود آپ ہی کے ذریعے پوری ہدایت و صراحت سے کر دی جائے تاکہ اس رسمیت کی بڑ بالکل کٹ جائے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخفی خیال اور فکر کو اٹھا کر برسرِ

رکھ دیا۔ فرمایا: وَتَحْفَىٰ فِي نَفْسِكَ مَا لِلَّهِ مُبْدِيَةً وَتَحْشَى النَّاسَ (احزاب - ۳۷) اندازِ تنبیہ کا ہے تم اپنے دل کے پردہِ خفا میں وہ بات لیے پوتے ہو جسے اللہ کھول دینے والا ہے۔ اور تم لوگوں سے اندیشہ کرتے ہو، یعنی ایک بات جو خدا کی شریعت میں روا ہے اسے لوگوں کے جاہلی تصورات کے اندیشے سے دل میں چھپائے رکھنا اللہ کو ناپسند ہے۔ اسے سامنے آنا چاہیے اور اس کو واقع ہونا چاہیے، تاکہ لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجٍ اُذْعِبَاءٍ هُمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا طِ اَيْضًا - ۳۷) مقصود اس سے یہ تھا کہ منہ بولے بیٹوں کے بارے میں وہ غلط قید جو لگی چلی آ رہی ہے وہ مسلمانوں کے اوپر سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے۔ اسی زنجیرِ جاہلیت کو کاٹنے کے لیے بھرپور ضرب لگانے کی یہ شکل اختیار کی گئی کہ حضور سے حضرت زینب کا رشتہ نکاح خود اللہ تعالیٰ نے بطور خاص قائم فرما دیا۔ بس اس واقعہ کا ہونا تھا کہ مدینہ کے دشمنانِ حق کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ یہ لوگ پروپیگنڈا کرنے لگے کہ دیکھا، یہ مذہبیت و تقدس کا ڈھونڈاگ! منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے شادی رچا لی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ زیب داستان کے لیے افسانے بھی گھڑ لیے گئے۔ منہ پھٹ یهود اور منافقین نے یہ چرچا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو بہو پر عاشق ہو گئے تھے۔ اسی لیے طلاق دلائی اور پھر نکاح گانٹھ لیا۔ نکاح بھی ایسا دلیا نہیں آسمانوں پر

۱۷ واضح رہے کہ زمانہ حال کے متعصب مستشرقین نے تاریخ کے اوراق سے وہ سارا گندامواد چن چن کے علم و تحقیق کے دامن میں بھر لیا ہے جو تحریک اسلامی کے معاذین نے پیش کیا تھا۔ چنانچہ خود یہ واقعہ بھی ان اصحابِ دانش و تحقیق کے ہاں ایک مقبول ترین موضوعِ بحث بنا اور اس کو خوب ٹک مڑا کر کتابوں کے اوراق پر پھیلا دیا گیا۔ ایک گھڈا اور باناری قسم کا افسانہ مکمل کر کے سامنے لایا جاتا ہے جس کا لفظ آغاز یہ ہے کہ حضور کی نگاہ اتفاقاً زینب پر پڑ گئی اور جذبات بے قابو ہو گئے؛ ذرا سوچو کہ وہ شخص جو بے داغ جوانی کو لیے ہوئے ہر وقت مصروف رکھنے والی جدوجہد میں ساری عمر تنہا رہا اور جسے چین کا سانس لینا کبھی نصیب نہ ہوا۔ اس کا کردار عین پختگی کے نقطے پر پہنچ کر بس یہی کچھ رہ گیا تھا کہ اس کا دل اس کی آنکھوں کی پلکوں پر دھرا ہوا ہو۔ کیا یہ الزام اس کے مجموعی کردار میں کھپ سکتا ہے۔ پھر حضرت زینب حضور کی چھوٹی لڑکی تھیں اور بچپن سے آپ کے سامنے کھیلیں اور جوان ہوئیں، ان کا وجود کوئی نیا انکشاف نہیں تھا۔ پھر یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آپ نے خود بڑے اصرار سے حضرت زید کے ساتھ ان کا نکاح کرایا تھا اور اس نکاح میں آپ زید کی طرف سے ولی تھے۔

باقی حاشہ اگلے صفحہ پر

منفق ہو گیا۔ اس نکاح کے لیے زمین ہموار کرنے کو اپنے مطلب کی وحی بھی نازل کر لی۔ اس سے پہلے اب تک اعتقادی اور کلامی اور فقہی امور میں مخالفانہ ہرزہ سرائیاں تھیں، مگر اس واقعہ کے سلسلے میں تو صحیح معنوں میں گنڈا پروپیگنڈا کیا گیا ہے اور محسن انسانیت کے اخلاقی مرتبے پر ہتہ بولا گیا۔ ظاہر بات ہے کہ کسی تحریک تعمیر و اصلاح کے لیے سب سے زیادہ کاری دار اخلاقی پہلو ہی سے ہو سکتا ہے۔ کسی صاحبِ دعوت کے ہارے میں اگر مخالفین یہ خوفا آرائی کرنے لگیں کہ وہ بندہ ہوس ہے۔ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کے لیے ہر طریقے سے گلابی بازی کر سکتا ہے اور وہ کسی اخلاقی معیار کا احترام کرنے پر تیار نہیں تو اس سے بڑھ کر تعمیری کام کو نقصان پہنچانے والا حملہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ بڑی آسانی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مدینہ میں دشمنانِ حق نے کتنی گندگی اس واقعہ پر پھیلائی ہوگی، کتنی سڑاوند پیدا کر دی ہوگی، اور انسانیت کے سب سے بڑے خیر خواہ پر کئی روز تک کیسی سخت کرب کی گھڑیاں گزری ہوں گی۔

یہود کا یہ پروپیگنڈا بے چارے مسلمانوں کے لیے بھی سجد پریشانیوں کا موجب ہوا ہوگا۔ ان کو راہ چلتے جھپٹا جاتا ہوگا۔ ان پر فقرے کسے جاتے ہوں گے اور ان کو شہادت کے چکر میں ڈالا جاتا ہوگا۔ ان میں تو مسلم بھی تھے جو اپنے کچے پن کی وجہ سے گھبرا اٹھتے ہوں گے۔ ان میں منافق بھی گھسے پڑے تھے۔ اور وہ اپنے من کر عجیب طرح کی دوزنگی باتیں رتتے ہوں گے۔ اس حالت میں مسلمانوں کی تسکین اور تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند حقائق ان کے ذہن نشین کرائے۔ ان کو بتایا کہ نبی پر کسی ایسی بات میں کوئی مضائقہ نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے طے کر دیا ہو (احزاب ۳۸) اس اقدام کا مقصد بھی واضح کر دیا کہ مسلمانوں کے لیے منہ بولے بیٹوں سے نکاح کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے (احزاب ۳۷) یہ اعلان بھی کر دیا کہ محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (احزاب ۴۰) آخر میں خود حضورؐ سے خطاب فرما کر کہا کہ "کافروں اور منافقوں کی نہ مالو اور ان کی دلائل زاریوں کو بالائے طاق رکھ دو اور ان شر پر بھروسہ کرو اور اللہ کی

(یعنی حاشیہ) حالات کی یہ ساری ترتیب کیا اس افسانہ کے لیے واقعی کوئی بنیاد فراہم کرتی ہے جسے مدینہ کے یہود و منافق نے پروپیگنڈا کے محاذ کا ایک ہم بنانے میں بطور سالہ استعمال کیا تھا اور اب ہی مسلمانوں کو دوبارہ مستشرقین اسلام کے خلاف مال کر رہے ہیں؟ کیا یہ باتیں عقلیت (RATIONALISM) اور تحقیق (RESEARCH) کے دعوے والوں کے

کار سازی کے لیے کافی ہے۔ (احزاب ۴۸) اس سنجیدہ اسلوب سے اس مکروہ اور گندے پروپگنڈے کا جواب دیا گیا جو یہودی طرف سے حدودِ حج کی ذہنی پستی کے ساتھ اٹھایا گیا تھا۔

ایک اور گندے بہتان کا طوفانِ عظیم | اوپر کے واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تحریکِ اسلامی کے نظریہ و نصبِ العین پر جب کسی طرف سے بھرپور وار کرنے کا موقع نہیں ملتا تو اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا طریقہ شیطان کی نگاہ میں یہی رہ جاتا ہے کہ اس کے علم برداری شخصیت اور اس کی قیادتِ عظمیٰ کے دامنِ تقدس پر گندگی کے چھینٹے ڈال دئے جائیں۔ سو ایک موقع پر اقتدارِ مطلق کا اور دوسرے موقع پر نفعانیت کا گھناؤنا الزام اس کے خلاف اچھال دیا گیا۔ اب یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے اور اسلامی تحریک کے قائدِ اعلیٰ کے مرم کو نشانہ بنایا جاتا ہے جو ساری امت اور ساری انسانیت کے لیے معاشرتی و اخلاقی لحاظ سے مرکزی نمونہ ٹھہرا گیا تھا۔ اسی حرم کے گرد ہی اسلامی معاشرت کا چھتہ تیار ہو رہا تھا اور اس چھتے کو برباد کرنے کے لیے کارروائی واروہی ہو سکتا تھا جو اس کے مرکز پر کیا جائے۔ منفی تخریبی طاقت نے یہ آخری وار بھی کر ڈالا۔ اس مخالفانہ وار کی دردناک داستان واقعہ افک کے عنوان سے قرآن، سیرت اور تاریخ کے دفینوں میں عبرت اندوز کیا محفوظ ہے۔

قبل اس کے کہ ہم اصل واقعہ کی حقیقت سامنے لائیں، یہ بات واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اتنے گندے بہتان کا طوفانِ عظیم آخر اسلامی تحریک کے پیدا کردہ صالح معاشرے اور تربیت یافتہ نظامِ نظام میں اٹھ کیسے سکا؟ کن رشتوں سے یہ طوفانِ عظیم کے قلعے میں داخل ہوا اور کیسے اسے کچھ دیر کے لیے ہونا کھانا چڑھا دیا گیا؟

فقہِ آرائی کے لیے سازگار فضا | شیطان کو اسلامی نظامِ اجتماعیت میں تخریب و انتشار کے منگائے کھڑے کرنے کے لیے بہ حال ایک خاص فضا کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ فضا چاہے جماعت کے اظہارِ اخلاق کی کسی کوتاہی کی وجہ سے موجود ہو جائے یا حالات کی پیدا کردہ ایک مجبوری کے طور پر پائی جاسے۔ بہر حال فقہِ آرائی کی کچھ سرسبزیں جو پوری ہو جائیں تو شیطان کا کید کچھ گل کھلا سکتا ہے۔ نظامِ خشیت میں فضا کی کمی ہے۔ اس میں شیطان کے لیے کام کرنے کے مواقع کسی نہ کسی حد تک باقی رہتے ہیں۔

مثالی سوسائٹی کیوں نہ موجود ہو۔ درحقیقت انسانی فطرت میں ایسی کمزوریاں موجود ہیں کہ جن کے راستے نکتہ کا سیلاب در آتا ہے۔ نبی کی پیدا کردہ جماعت کے بارے میں بھی یہ گارنٹی نہیں دی جاسکتی کہ اس کے دائرے میں نکتے کی طاقت کو کام کرنے کا سرے سے موقع ہی نہیں ملے گا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے تندرست تندرست آدمی بھی کبھی نزلے، زکام یا بخار میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک پاکیزہ سے پاکیزہ معاشرہ کو بھی حالت مرض پیش آسکتی ہے۔ ایک زندگی سے بھرپور اچھے معاشرے سے توقع یہی کی جاسکتی ہے کہ وہ مرض کی مدافعت میں کوتاہی نہ دکھائے گا، اور حملہ آور جراثیم کو ہلاک کر کے باہر پھینک دے گا، مگر یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اس میں کوئی مرض کبھی پیدا ہی نہ ہوگا۔

شیطان کے لیے ایک نظام جماعت میں سازگار ترین فضا نجوی کی فضا ہوتی ہے۔ نجوی نہ گوشتی کو کہتے ہیں کسی اجتماعی نظام میں نجوی کے اصطلاحی معنی یہ ہوتے ہیں کہ پوری جماعت کے سامنے کھلم کھلا اپنے خیالات، مشوروں، تنقیدوں اور اعتراضوں کو پیش کرنے کے بجائے متفرق افراد علیحدگی میں پیچھے کرکچھڑ پکائیں۔ نجوی درحقیقت اجتماعی زندگی میں ایک برے راستے کی طرف پیش قدمی کا آغاز ہے۔ کوئی نہ کوئی پناہ ہوتی ہے، تجھی کھلے بندوں کام کرنے سے آدمی کتراتا ہے اور سامنے آنے سے پہلے چپ چپتے کچھڑی پکانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی چیز آخر کار سازش کی شکل اختیار کرتی ہے۔

تیمینی سے حضور اکرم کی نگرانی میں چلتی ہوئی تحریک کے اندر یہود کی سرپرستی میں منافقین نے نجوی کی یہ فضا پیدا کر دی تھی اور یہ برابر تحریک کے قائد اور کارکنوں کو پریشان کرتی رہی۔ قرآن اس فضا کے بنائے والوں کو بھی دوسرا اصلاح دیتا رہا اور اسلامی نظام جماعت کے کارفرماؤں کو بھی اس کے مارے میں برابر مبتلا بناتا رہا۔ وہ لہارا :

”کیا ہم دیکھ نہیں رہے کہ جن لوگوں کو سرگوشیاں سننے سے باز آنے کو کہا گیا تھا وہ پھر وہی حرکت کر رہے ہیں۔ اس سے انہیں روکا گیا تھا اور وہ آپس میں بدی اور بدکشی اور رسول کی نافرمانی پر خلیہ منڈولتے کرتے پھرتے ہیں۔“ (مجادلہ - ۸)

”اس کے علاوہ دوسرے بھی تھے جو آپس میں بدی اور بدکشی اور رسول کی نافرمانی پر خلیہ منڈولتے کرتے پھرتے ہیں۔“ (مجادلہ - ۸)

نہ باندھو بلکہ نعلی اور تغویٰ کے لیے مشورے کرو۔ (مجادلہ ۹)

”یہ خفیہ مشورے شیطانی کام ہیں تاکہ وہ ایمان لانے والوں کو پریشان کرے، حالانکہ بغیر اللہ کے

اذن کے کوئی بھی چیز ان کا کچھ لگاڑ نہیں سکتی۔“ (مجادلہ ۱۰)

”یہ (سرگوشیاں کرنے والے) لوگ انسانوں کی نگاہ سے خواہ مخواہ رہ سکتے ہیں، مگر اللہ سے نہیں چھپ

سکتے۔ حال یہ کہ جب وہ رات کی تاریکی اور تنہائی کے پرچے میں وہاں کوئی بات پکاتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں

ہوتی تو اس گھڑی اللہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔“ (النساء ۱۸)

”خفیہ مشورے کے لیے کوئی تین آدمی ایسے جمع نہیں ہوتے کہ ان کے ساتھ چوتھا اللہ نہ موجود ہو اور نہ

پانچ کر حین کے ساتھ چھٹا وہ نہ ہو۔ اور نہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کہ ان کے ساتھ وہ موجود نہ

ہو۔ خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔“ (مجادلہ ۷)

”وہ منہ پر کہتے ہیں کہ ہم (جماعت کے فیصلوں اور قیادت کے احکام کی) اطاعت کریں گے! مگر جب

(اسے نبی) آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک ٹوں راتوں کو سر جوڑ کر تمہاری کہی ہوئی باتوں کے

خلاف کچھ بولی پکاتی ہے اور اللہ ان کے منصوبوں کو لکھ رہا ہوتا ہے۔“ (النساء ۸۱)

ان آیات میں بابت بالکل صاف کر دی گئی ہے کہ اسلامی نظام جماعت اجتماعی طور پر جن طے شدہ خطوط

پر چل رہا ہو اور جو اجتماعی فیصلے اور جماعتی روایات اس کے اندر کار فرما ہوں ان کی حمایت و وکالت اور ان کی

پابندی و پیروی اور ان کے نفاذ و استحکام کے لیے تو علیحدگی میں افراد باہم دیگر علاقہ بھی اور تنہائی میں بھی

آزادانہ بات چیت کر سکتے ہیں۔ لیکن ان سے اختلاف کرنے اور ان کو شکست دینے، ان کے خلاف

بدولی پھیلانے اور اعتراضات اٹھانے اور ان کا رُخ پھیر دینے کے لیے علیحدگی میں بیٹھ کر افراد کا خفیہ

مشورے اور سرگوشیاں کرنا ایک ایسا گناہ گناہ ہے جو ان افراد کی سیرت و عاقبت کو تباہ کر دیتا ہے

اور پورے نظام جماعت کو پریشانیوں اور پیچیدگیوں سے دوچار کر دیتا ہے۔ خذیہ اختلافی سرگوشیوں کا اصل

سرشتہ و اصل اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام جماعتی امور کو قرآن نے خیر و اکر کر دیا۔

خفیہ سرگوشیوں کا ایک موضوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سامنے آنا ہے۔ درحقیقت یہی مرکز

موضوع تھا۔ مدینہ کی تحریکِ اسلامی کے دائرے کے اندر اس امر کی تو سرے سے گنجائش نہ تھی کہ نفسِ تحریک اور اس کے نظریہ و نصب العین کو پرو چکھنے کا بہت بنایا جاسکے اور خود خدا کی مافروانی اور اس کی کتاب سے بغاوت کا اقدام کیا جاسکے۔ منافقین کے لیے زیادہ سے زیادہ میدانِ فتنہ اتنا ہی تھا کہ تحریکِ اسلامی کی قیادت سے انھیں اور علمبردارِ اول کی شخصیت کے خلاف لاوا پکاتے رہیں۔ ایک اخلاقی تحریک کے لیے تباہی کا سب سے زیادہ کارگر اور پہل ترین حربہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کی بہترین شخصیت کو داغدار کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں یہ تو ہم تباہی کے ہیں کہ اقتدار طلبی اور نفسانیت کے الزامات پہلے ہی عائد کئے جا چکے تھے لیکن درحقیقت معاملہ ایک الزام یا دوسرے الزام تک محدود نہیں تھا۔ شوشہ بازی کی ایک مہم — (WHISPERING COMPANION) اور ”سرد مہم“ برابر چلائی جاتی رہی۔

مثلاً بعد کے دور میں جب کہ زکوٰۃ کا نظام وصول و صرف باضابطہ طور پر قائم ہو گیا۔ حضور پر ایک ٹھٹھا الزام یہ بھی عاید کیا گیا تھا کہ آپ بیت المال میں آنے والے صدقات کو من مانے طریق سے اٹا دیتے ہیں۔ صورتِ واقعہ یہ تھی کہ عام اندوختوں اور کاروباری سرمایوں اور زرعی پیداواروں میں سے حیب باضابطہ خدا کے حاجت مند بندوں کا حق لیا جانے لگا تو ڈھیروں دولت ایک مرکز پر سمٹنے اور سرکارِ دو عالم کے مبارک ہاتھوں سے بارانِ رحمت کی طرح تقسیم ہونے لگی۔ دولت کی اس بہتی گنگا کو دیکھ کر زر پرستوں کے منہ میں پانی بھرتا اور وہ چاہتے کہ جاہلی دور کی طرح آج بھی اس گنگا سے وہی ہاتھ رنگیں جو پہلے سے مضبوط مالی حیثیت کے مالک ہیں، لیکن اسلامی تحریک کے قائم کردہ نظامِ معیشت نے دولت کے بہاؤ کا رخ، غریب طبقوں کی طرف پھیر دیا تھا اور اربابِ جاہ و حشم اس انقلاب پر کڑھتے تھے۔ وہ فی نفسہ اسلامی نظامِ معیشت پر توجہ نہ کر سکتے تھے۔ جو ان کی بیسیں بھاری کرنے کے بجائے ان سے بزورِ قانون ”زکوٰۃ“ کا تیرا نہ وصول کر رہا تھا، بس دل کا بخار نکالنے کے لیے محسنِ انسانیت کو نشانہ بنالیتے ان کا کہنا یہ تھا کہ دولت اپنے حامیوں اور اپنے چہنیوں میں شریح کی جارہی ہے اور مہاجرین کو خاص طور پر نوازا جا رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدائی خزانے کے بل پر دوست نوازی اور کنبہ پروری چورہی ہے۔

لَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ - القرآن : سورۃ توبہ

متفرق گفتگوؤں میں مسالہ دگا لگا کر کہا جاتا ہو گا عام لوگوں کے گارٹھے پسینے کی لمائی خدا کے نام پر نچوڑی جاتی ہے لیکن اسے اپنی دھاک بٹھانے اور اپنا اقتدار مسلط کرنے کے لیے بے دردی سے استعمال کیا جا رہا ہے پبلک فنڈز کے بارے میں کسی بھی نظام میں قیادت پر الزام لگ جائے تو سنگین ہوتا ہے، لیکن خاص طور پر ایک دینی و اخلاقی نظام معاشرہ میں جہاں خزانہ اللہ کا مال کہلاتا ہو اور جس کا ہر آمد و صرف اللہ کے نام سے۔۔۔ اور اس کے احکام کے تحت کیا جاتا ہو وہاں ایسے الزام سے شدید جذباتی پہچان پیدا کیا جاسکتا ہے۔

غور فرمائیے یہ الزام نمونے کی اس شخصیت پر چپکا، جارہا تھا جس نے صدقہ کی آمدنی کو خود اپنے اور اپنے بوجھیاں کے لیے بہنیں، پورے خاندان بنی ہاشم کے لیے بمنزلہ حرام کے قرار دے لیا تھا۔ یہ شان بے لوثی بس کی کوئی مثال تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی، اس کے براق دامن پر بھی نہایت ادنیٰ سیرت کے لوگوں نے اٹھ کر دھبے ڈال دیے۔

پھر یہی لوگ تھے جن کی تعریف قرآن یوں کرتا ہے کہ یہ اپنی باتوں سے نبی کی ذات کو دکھ دیتے ہیں اور جنی تحریک کے اجتماعی مسائل پر صاف دل سے کھلی فصاحت میں بات کرنے کے بجائے، یہ اس کے عنان برداری شخصیت کو نشتر لگاتے رہتے تھے۔ اس نشتر زنی کی ایک مثال قرآن نے خود ہی بیان کر دی ہے۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ اسلامی نظام جماعت میں منافقین کی حرکات و سکنات ایک ایسی بے سوچیز چیز تھیں کہ ان کی بواہل ایمان کی فطرت صالحہ کو ناگوار گذرتی تھی اور وہ مضطرب ہو ہو جاتے تھے۔ اس پر مشکل یہ تھی کہ منافقین کی پراسرار حرکات پر قانون اور نظم کے تقاضوں کے تحت باقاعدہ گرفت کو تا بھی مشکل اور ان پر دم سادھے رہنا بھی مشکل! اہل ایمان پیچھے سے جماعتی ذمہ داری کے تقاضے سے مجبور ہو کر اہل نفاق کی غیر صحت مندانہ حرکات سے حضور پاکؐ کو آگاہ کرتے رہتے تھے۔ ہر نفاق زدہ آدمی آہستہ آہستہ جماعت میں پہچان لیا جاتا، اور اس کے بارے میں عنان بردار تحریک کی شخصیت ایک خاص طرح کا ردِ عمل دکھاتی جو انتہائی نرمی کے اسلوب سے آہستہ آہستہ سختی کے انداز میں بدلتا گیا۔ ان حالات میں مریضانِ نفاق اپنے آپ کو ذلیل پا کر چرچا کرنے لگے کہ ”هُوَ اَذَنٌ (توبہ ۱۱) یعنی نعوذ باللہ، یہ شخص تو کان کا کچا ہے، معمولی سے معمولی مرتبے کے آدمی، جن کی ہمارے مقابل میں کوئی سستی ہی نہیں، جانتے ہیں اور جس کے بارے میں جو بات چاہیں کہہ آتے ہیں۔

اور وہاں ہر چیز پر یقین بھی فوراً کر لیا جاتا ہے۔ میرا رواں کی اس کمزوری کی وجہ سے ہم مارے جاتے ہیں۔ اب ہم تو ٹھہرے منافق اور سازش، اور کل کے بے حیثیت لونڈے اور فاقوں مارے غلام ہو گئے مگر یہی خاص کچھ ایسے ہی حالات کا ردِ عمل ہو گا کہ ایک دفعہ منافقین نے تحریک کے علمبردار اول سے علیحدگی میں وقت لینے اور گفتگو میں کرنے کا ایک چکر چلا دیا۔ مجلس آراستہ ہے، ایک منافق صاحبِ بیج میں بول اٹھتے ہیں کہ مجھے ذرا علیحدگی میں خاص بات کرنی ہے۔ حضورؐ پر بنائے مروت اس کا موقع بہر کسی کے لیے کھلا رکھتے تھے، لیکن علیحدگی میں خاص باتیں کرنے اور وقت لینے کا یہ ڈراما سلسلہ کسی اور غرض سے تھا، اس سے منافقین کا مدعا یہ تھا کہ ایک تو جماعت پر اپنی دھاک چائیں کہ ہم خاص الحاس ٹوک ہیں صرف اوپر کے دائرے میں ذمہ دار ترین سستی سے خاص باتیں کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ حضورؐ کی نگاہ میں مصنوعی طریق سے تقرب و اعتبار حاصل کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے اہل اخلاص کے بارے میں بدگمانیاں پیدا کر کے اس ذلت کا اپنا ڈنکا لاجائے جس میں اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے یہ حضرات گھر گئے تھے لیکن حضورؐ کی مروت نے منافقین کو جس تفسیع اوقات کا کھلا موقع دے دیا تھا اسے فرمانروائے حقیقی نے یہ حکم دے کر ختم کر دیا کہ :

اے ایمان والو! جب تم پیغمبر سے (خاص وقت لے کر) علیحدگی میں بات کرو تو ہر گفتگوئے خاص

سے قبل صدقہ پیش کرو۔ (مجادلہ - ۱۳)

اس حکم سے بخل کے مادے ہونے منافقین کی کمر ٹوٹ گئی اور یہ خاص وقت لینے اور علیحدگی میں بات کرنے کا سلسلہ رک گیا، تاہم یہ شروع اسی تصور سے کیا گیا تھا کہ عنان بردار تحریک کان کا کپا (خاک بر سر اشیاء) ہے۔ سوالِ اذہن کے مقابلے میں کیوں نہ نہ ہم جس کان بھر کر راست اپنی رو میں پہاڑے جائیں مگر ان کو اندازہ نہیں تھا کہ وہاں اہل اخلاص کے لیے کان جتنے نرم تھے، اہل فتنہ کے لیے اتنے ہی ثقیل بھی تھے۔ بہر حال اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ، نہجریک اسلامی کے اندر رہ کر اس کے عنان بردار اعلیٰ کے خلاف، ایسی خفیہ آمیز باتیں کرتے پھرتے ہوں گے۔ ان میں نظم سے وہ محبت و وابستگی باقی کیسے رہ سکتی تھی جو کسی جماعت کے یوگنوں کو فعال اور نرک باقی ہے۔ ایک دینی و اخلاقی نظام جماعت میں تو جو عنسراں کے نظام امر و قیادت کے خلاف

تحقیر کا طوفان اٹھاتا ہے اور سرگوشیوں کی مہم چلاتا ہے وہ درحقیقت سرے سے اس کی حرکت، اس کے اقدام اور اس کی فعالیت کی تباہی کا سامان کرتا ہے۔

تحریک جب دعوت کے مرحلے سے جہاد کے مرحلے کی طرف ایک انقلابی موڑ مڑی تھی اسی وقت ایک بڑی تعداد کا اتفاق ابھرا یا تھا۔ تحریکوں کے ایسے موڑ بہت سے لوگوں کو حکم میں ڈال دیتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر توازن صرف وہی کارکن برقرار رکھ سکتے ہیں جو پہلے سے سمجھ کر چلے ہوں کہ ہم جا کہ ضرر ہے ہیں اور کیا کیا منازل راہ میں پڑیں گی۔ ورنہ دنیا بھر کی تحریکوں کو جب کوئی ایسا بڑا موڑ پیش آتا ہے اور وہ حسرت لگا کر ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہوتی ہیں تو اس تفسیر کا صحیح فہم نہ رکھنے والا ضرور ناگوارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کچھ نہ کچھ غصہ ایسے ہی تاریخی مواقع پر کیا اوقات اچھے خاصے متحرک افراد ذہنی الجھنوں میں پڑ کر بددی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی تحریک اسلامی کے ساتھ بھی ہوا۔ تحریک دعوت سے جہاد کے مرحلے میں داخل ہوئی تو کچھ لوگ اپنا فکری توازن کھو بیٹھے اور خاص طور پر وہ عنصر تو ہمیشہ کے لیے نفاق کا شکار ہو گیا۔ جو جہاد کی گراں بار ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے آمادگی نہیں رکھتا تھا اور پہلے سے ذہن و فکر کو اس مرحلے کے لیے تیار کر کے نہیں لایا تھا۔

قرآن میں مذکور ہے کہ کچھ لوگ تھے جن کو جب پہلے دور میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ”کھڑا ایڈیکس یعنی دعوت حق پہنچاتے ہوئے ظلم و زیادتی کو ختمی سے برداشت کرو اور ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ بس اقامتِ نماز اور دینائے زکوٰۃ جیسی سرگرمیوں میں منہمک رہو۔ (النساء ۷۷) لیکن ان کو اس دور میں یہ حکم ناگوار تھا بعد کے مرحلے میں جب انہی لوگوں کو جہاد کا حکم سنا یا گیا تو وہ انسانی قوتوں سے خوفزدہ ہو کر ٹھٹھک سے گئے۔ ان کا ذہنی ردِ عمل یہ تھا کہ رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ؟ (اے ہمارے رب! تو نے جہاد کا حکم ہمارے سر کیوں ڈال دیا؟ ابھی ہم اور دعوت دیتے، نماز و زکوٰۃ کے ذریعے فلاح سیرت کرتے، جہدے اور تعمیری سرگرمیاں جاری رکھتے، ایک مرحلہ کے قلعے پورے نہیں ہوئے کہ وقت سے پہلے ہی ذمہ داریاں لاد دی گئیں ہیں۔

مگر پھر اسے خدا سے نہ بھٹ کر سکتے تھے نہ اس کے احکام کے آگے کوئی بند کھڑا کر سکتے تھے۔ ان کے سامنے تو صرف رسول کی ذات تھی، چنانچہ اس ذات اور اس شخصیت کو انہوں نے آخر دم تک نہ بچشا۔ یہ ہر معرکہ جہاد سے کوئی کاسٹے رہنے اور ہر نازک موقع ہر طرح کی باتیں گھڑتے رہے۔ انہوں نے خدا کی عائد کردہ ذمہ داریوں کا

انتقام اس کے دین کی تحریک چلانے والے علمبردار حق سے دل کھول کر لیا۔

تحریکیں حسب معرکہ آرا ہوتی ہیں تو ان کے علمبردار مخالف طاقت کو جہاں ضربیں لگاتے ہیں وہاں ان کے ہاتھوں چوڑوں پہ چوٹیں کھاتے بھی ہیں۔ تدبیر کے تیرنشانے پہ لگتے بھی ہیں اور اچٹ بھی جاتے ہیں۔ نتائج امیدوں کے مطابق بھی نکلتے ہیں اور خلاف بھی نکل آتے ہیں۔ البتہ کوئی بھی میدان کارنار نہیں پایا گیا جس میں ہر نقصان ایک ہی فرق کے حصے میں آئے اور ہر فائدہ دوسرے فرق کے حصے میں رہے، جو فرق آخری فتح بھی حاصل کرتا ہے وہ بھی بہت سی جانیں فتح کی قیمت میں پیش کرتا ہے۔ بہت سے زخم کھاتا ہے، بہت سا مال جنگ کی آگ میں جھونکتا ہے، لیکن مدینہ کی اسلامی تحریک کے اندر کام کرنے والے منافقین ان مَعَ الْعَسْرِ کثیراً کے اس فلسفہ ربانی سے خالی الذہن ہو کر ہر تکلیف اور ہر نقصان اور ہر چوٹ پر بے اختیار چلا اٹھتے تھے کہ یہ نتیجہ ہے تحریک کے کارپرداز کی، کوتاہی بصیرت کا (نوذ بادئہ) قرآن میں اس ٹھنڈے ٹھنڈے فلسفیانہ پروپیگنڈے کا واضح طور پر تذکرہ موجود ہے :

”اور اگر ان کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی

نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری (مراد ہے ذات رسالت مآب) بدولت ہے۔ (انسائ)

یعنی تحریک کے معرکوں میں جو چوٹیں لگتی ہیں، جو نقصانات پیش آتے ہیں، جو قربانیاں دینی پڑتی ہیں، اور جن نذاہر کے نتائج حسب مراد نہ برآمد ہوتے ان سب کی ذمہ داری سرورِ عالم کی گردن پہ ڈالی جاتی ہے، کہ یہ سب انہی کا کیا دھرا ہے۔ مطلب یہ کہ دین فی نفسہ برحق ہے۔ تحریک پاکیزہ، نظامِ حیاتِ لاجواب گھر میں جن ہاتھوں میں رہنمائی ہے انہوں نے سارے کام کو عجیب چکروں میں ڈال دیا ہے۔

فدا متقیانہ شان ملاحظہ ہو کہ اللہ سے بات نہ رکھی ہے اور فوائد اور کامیابیوں کی نسبت بڑے انتہام سے اس کی طرف پھیری جا رہی ہے۔ گویا پروپیگنڈا فلسفیانہ ہی نہیں بڑا متقیانہ بھی تھا۔ مگر یہ منافقانہ شان القابور رسولِ صلیے سربراہ کا تحریک کی خیر خواہی و اطاعت کا اتنا بھی حق ادا نہ کر سکی جتنا اسلام نے ایک حبشی غلام کی امارت کے لیے طلب کیا ہے اور جو خدا کے رسول اور تحریکِ اسلامی کے بہترین عنان بردار سے بالا بالا خدا سے رستہ قرار پانے والا جو رکھنا چاہتا تھا۔ اس سے بڑھ کر خود فریبی کی اور کونسی شکل ہوگی جو انسان نے اپنی تباہی کے لیے ایجاد کی ہو۔

اس موقع پر یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محسناتؑ کی جو نسبت وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے وہ برہنہ شکر و اعتراف نہ تھی، بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ حالات کے اندر جو اچھے پہلو ابھرتے ہیں اور معرکہ آرائیوں سے جو منہد نتائج برآمد ہو جاتے ہیں ان میں محسن انسانیتؑ کی قیادت اور بصیرت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے پیدا کردہ اتفاقات ہیں۔

مدینہ کی تحریک اسلامی کے قائد اعلیٰ کو کس دہنی احوال سے گزرنا پڑتا ہوگا جب کہ ہر موقع تکلیف پر گھر کے اندر خائفانہ تصور کرنے اور ہنسی اڑانے اور تجویز کرنے والے نام نہاد ساتھی موجود ہوں۔ بات بات پر کہتے پھرتے ہوں کہ اس عین بردار تحریک کے ہاتھوں اب یہ مصیبت آپڑی اب وہ زخم لگا، اب ادھر سے تباہی آپڑی ہر اہم اقدام کے نتائج نکل آنے کے بعد پنڈت بن کر بیٹھ جاتے ہوں اور تنصیر کرتے ہوں کہ یوں نہ کیا جاتا اور وہ کیا جاتا۔

اسی سٹرے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ ہر معرکہ کے سامنے آنے پر یادہ گوئی کرنے لگ جاتے۔ مثلاً کہتے: کہ ہمیں اندیشہ یہ ہے کہ حالات کا کوئی چکر ہمیں اپنی لپیٹ میں نہ لے لے (المائدہ ۵۲) مراد یہ ہوتی تھی کہ اس تحریک کی گاڑی کو جس ڈھب سے چلایا جا رہا ہے اس کے پیش نظر ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ اب کسی چٹان سے ٹکرائی اور اب کسی کھڈ میں گری! — آخر ہم کیوں مفت میں اپنے آپ سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

جنگِ احد کے موقع پر یہی ذہنیت تھی جس نے حسرت ظاہر کی غنی کہ دُعا ان لنا من الامر شئ ما قُتِلنا حلماً، یعنی ”اگر قیادت کے اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے“ (تفہیم القرآن) سورہ آل عمران آیت ۱۵۴ اس ذہنیت میں آنحضرتؐ کی قیادت و بصیرت کے خلاف صریح بے اعتمادی موجود تھی۔ یہ اپنی جگہ عقل کل تھے اور جو شخص کئی برس سے وحی الہی کی روشنی میں تحریک چلاتا آ رہا تھا وہ پیغمبرؐ ہونے کے باوجود ان کی نگاہ میں کچھ نہ تھا۔ اگر کہیں معاملہ کسی پیرو نبوت کی قیادت کا ہوتا تو بخدا جانے بصیرت کے ان ٹھیکے داروں کے

اس موقع پر یہ بتا دینا مفید ہوگا کہ صاحبِ مفتح القرآنؒ نے اپنے حاشیہ میں بالکل یہی بات یوں ارشاد فرمائی ہے کہ یہ منافقوں کا ذکر ہے کہ اگر تدبیر جنگ درست آئی اور فتح و غنیمت ملی تو کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہوئی، یعنی اتفاقاً ہی گئی حضرت کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے تھے، اور اگر ہار گئی تو الزام رکھتے حضرت کی تدبیر کا نہ ملاحظہ ہو محافل شریف مطبوعہ تاج کتب خانہ

ہاتھوں اس کی کیا گت بنی ہوئی۔

ان مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تحریک کی براہ راست مخالفت کے بجائے سرورِ عالم کی شخصیت کو بدعت بنا کر بالواسطہ حملے کا کامیاب ترین اسلوب اختیار کیا گیا تھا۔ تحریک کے میرکارواں ہی کے خلاف اعتراضات تحقیر اور ہیودہ حرزہ گیری کا لادہ نچوئی کے ناپاک ماحول میں پکایا جاتا اور اس کی نافرمانی اور اس سے سرکشی کرنے کے لیے نئے نئے اقدامات زیرِ غور لائے جاتے۔

اخلاقی نظامِ جماعت کی پیچیدگیاں | یہ فضا شیطان کے لیے کام کرنے کا بہترین اور وسیع میدان اپنے اندر رکھتی تھی۔ خاص طور پر اس کے دو پہلو فتنہ پردازوں کے حق میں جاتے تھے۔ تحریکِ اسلامی کا جماعتی نظام اخلاقی نظام تھا۔ اخلاقی نظام کی ایک خاص پیچیدگی یہ ہے کہ اس میں صریح قابلِ گرفت واقعات جب تک ثابت شدہ حقائق کی شکل اختیار کر کے سامنے نہ آجائیں ان پر نہ جماعت گرفت کر سکتی ہے اور نہ خرابی محسوس کرنے والے افراد حالات کے دھندلے پس منظر کو آخری نتائج تک نہ پہنچا سکتے ہیں۔ اسلام کا اخلاقی نظام جماعت اپنے افراد کو ایک دوسرے کے بارے میں سوئے ظن سے روکتا ہے اور ایک شخص آدمی آخری حد تک مجبور ہوتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کے متنبہ طرزِ عمل کے سہارا پر بہتر تاویل کرتا رہے اور پھر اگر وہ غیر صحت مندانہ سلسلہ اموال کی بے شمار کڑیوں کے مل جانے پر اپنے ذہن کی گہرائی میں کوئی بری رائے قائم کر بھی لے تو بھی زیادہ سے زیادہ دفعہ اس انتظار میں گزرے کہ شاید اس کے سوئے ظن کی تردید کرنے والی کوئی واضح حقیقت سامنے آجائے۔

محض تاثرات — چاہے وہ اس کی اپنی نگاہ میں کتنی ہی وقیع کیوں نہ ہوں — اس قابل نہیں ہو سکتے کہ ان کو ایک مقدمہ کے طور پر باقاعدہ جماعت کے سامنے لا کر نظم کو متحرک کیا جائے۔ ان وجوہ سے مدینہ میں اہل اخلاص مجبور تھے کہ وہ فتنہ پسندوں کی ابتدائی سرگرمیوں کو جو نچوئی کے دھندلکے میں چل رہی تھیں چند خوش آئند آثار و علامات کے سامنے آجانے پر بھی چپ چاپ دیکھتے رہیں۔ ہاں جب فتنہ کی فصل باقاعدہ برگ و بر لانے لگی تو پھر کہیں جا کر اخلاقی نظامِ جماعت ان کو موقع دیتا کہ وہ زبانِ مکوس اور اجتماعی نظم کو حرکت میں لائیں۔ دوسری پیچیدگی اخلاقی نظامِ جماعت کی یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی سربراہ کار کی شخصیت اور اس کے دوسرے

اہل حل و عقد اور اربابِ امر کی ذوات کو کوئی پسیٹ میں لے لے تو ان کی پوزیشن بڑی نازک ہو جاتی ہے۔ ایک طرف وہی ہوتے ہیں جن کے ہاتھ میں جماعت کی انتظامی مشینری کی باگ ڈور ہوتی ہے اور جن کے ہاتھوں فقروں کا سر کھلا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف فتنے انہی کو نشانہ بنا کر ایسی صورت پیدا کر دیتے ہیں کہ اگر وہ اربابِ فتنہ کا پول ساری جماعت کے سامنے پوری طرح کھلنے سے پہلے ان کے خلاف کوئی کارروائی کریں تو ان پر الزام آتا ہے کہ تنقید اور اختلاف کو دباتے ہیں اور آوازِ حق بلند کرنے والوں کو آمرانہ طریقوں سے نکتہ دیتے ہیں جس طرح افراد کے معاملے میں کہا جاسکتا ہے کہ مشرقت جہاں سب سے بڑی طاقت ہے وہاں مشرقت ہی سب سے بڑی کمزوری بھی ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جماعتوں کے لیے اخلاقی نظام جہاں سب سے بڑی طاقت ہے، وہاں یہی اخلاقی نظام ان کی سب سے بڑی پچیدگی بھی ہے۔ اسی پچیدگی کا ایک ہی حل ہے اور وہ یہ ہے کہ جماعت اپنے مجموعی ذہن کے لحاظ سے انہی بیدار اور اپنے کردار کے لحاظ سے انہی مضبوط ہو کہ وہ اپنے مزاج کے خلاف کسی چیز کو اپنے اندر چلنے نہ دے۔ اس کے دائرے میں کوئی گوشِ ہوش جماعتی نظم کے خلاف سرگوشیاں سننے کے لیے تیار نہ ہو اور کوئی زبانِ کان میں پڑی ہوئی ہر بات کو بدھرا دھر بھیلانے کی جرات نہ کرے۔ مگر اس انتہائی معیار تک عملاً جماعت کی جماعت کا پہنچنا اور ہر آن اس پر قائم رہنا مشکل ہے گھٹیا باتیں سوچنے والے دماغوں، ان کو بھیلانے والی زبانوں اور ان کو سننے والے کانوں سے کوئی انسانی معاشرہ بالکل ہی پاک نہیں ہو سکتا۔ انسانی فکر، لفظ اور سماعت میں سے شیطان کچھ نہ کچھ حصہ لے ہی اڑتا ہے منافقین نے اخلاقی نظام کی اس ڈھبل سے پورا پورا فائدہ اٹھایا، لیکن انجام کار کے لحاظ سے وہ اس کی زبردست طاقت کی گرفت سے نہ بچ سکے۔ ان کے پورے کارنامے کا خلاصہ قرآن کی زبان میں یہ تھا۔

”هتّموا بما لکم دنیا الّٰہ وہ جس مقصود کی طرف ہلکے تھے اس تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ مگر جماعت کو پریشان تو کیا اسے اضطراب میں تو ڈال لے رکھا۔“

بخوی کی اس سازگار فضا میں جس میں تحریک کے علمبردارِ اولین کی ذاتِ ہدف بنی چلی آرہی تھی اور یکے بعد دیگرے اس کے خلاف نازک اندازیاں ہو رہی تھیں، ناپاک سے ناپاک بہنان کے کسی طوفانِ عظیم کا اٹھا دینا سرگزشتِ ناممکن نہ تھا، بشرطیکہ کوئی اچھا موقعِ قیمت سے فتنہ پردازوں کے ہاتھ آجائے شیطان کو اس فضا سے فائدہ اٹھانے

اور منافقین کے گردہ کو ڈھنگ سے استعمال کرنے کے لیے دوسری ضرورت ایک فعال کردار کی تھی جس کا ذہن شرارت اٹھانے کے لحاظ سے مودانہ اور تخلیقی ہو اور جسے نجوئی کے پیدا کردہ بارود کے ڈھیر میں بی جالو کی طرح ایک چنگاری اٹھا پھینکنے کی جہارت حاصل ہو۔ سو اس طرح کا فعال کردار عبداللہ بن ابی کی صورت میں پہلے ہی موجود تھا۔ اس شخص کے اندر اپنی شخصیت اور اہمیت کا احساس کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس نے ہجرت سے پہلے مدینہ کی بادشاہت کا تاج اُسی کے سر پر تو رکھے جانے کے لیے زیر تیار کیا تھا؛ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اس کی تمناؤں کے راستے میں روک بن گیا۔ بادشاہت تو دور رہی، اسے اپنے کردار کے سبب تحریک اسلامی کے دائرے میں آکر مرتبہ اولیٰ تو کیا، مرتبہ ثانی و ثالث تک بھی حاصل نہ ہو سکا۔ اس حادثے نے اس کے ذہن میں بڑا تلخ اور زہریلا ردِ عمل پیدا کر دیا اور یہ ردِ عمل سہرا بن گیا کہ ایک نہ ایک نئے فتنے کی شکل میں مدوجزر پیدا کرتا رہتا تھا۔ شیطان انسانوں میں براہِ راست تو بہت ہی مہوڑا کام کرتا ہے۔ اسے آدھارے کار کے طور پر شیطاں اس کی ضرورت ہوتی ہے اور شیطاں اس کوئی سبیل اللہ فساد میں متحرک رکھنے کے لیے وہ ان کے اوپر کوئی سرخیل چاہتا ہے۔ کوئی امام فتنہ! یہ امام فتنہ اسے مدینہ میں بنا بنایا ہوا تھا آگیا۔ اور تھا بھی وہ تحریک اسلامی کے دائرے کے اندر! یہ ایک شخصیت ایک پیغمبر کی قیادت میں چلنے والی تحریک پر بظاہر آمنا و صمد تھا بھی کہہ چکی تھی اور دوسری طرف اسی پیغمبر کی ذات اور اس کے مشن کے ساتھ ہر پہلو سے بھڑ بھی رہی تھی۔

انانیت (SELF IMPORTANCE) کے زیر اثر اس فعال کردار نے بڑے تاریخی موقع پر اپنے جذبہ حسد کے بھڑکتے آتش دان میں سے چنگاری اٹھا کر حرمِ نبوی میں ڈال دی اور آناً فاناً سارا معاشرہ ذہنی حیثیت سے بھڑ بھڑ چلنے لگا۔

(باقی آئندہ)